POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 03-04 August 2025, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 02-08-2025 • Price: 5/- • 8-14 August 2025 • Issue: 30 • Vol:84

۸تا۱۴راگست ۲۰۲۵ء • شمارہ:۳۰ • جلد:۸۴

بیانِ شبلی

محمد الیاس الاعظمی

علامہ شبلی کی کمال فیاضی

1905 میں ندوۃ العلما کے سالانہ اجلاس میں مولانا مسیح الزماں خاں (1840-1910) نے ندوہ کی نظامت کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تو مجلسِ انتظامیہ نے نئے انتظام میں نظامت کے اختیارات کو تین حصوں میں تقسیم کردیا۔ پندرہ روزہ 'اتحاد' لکھنؤ میں مولوی عبدالحلیم شرر (1860-1926) نے اس کی تفصیل لکھی ہے کہ:

''ایک صیغہ فراہمیِ سرمایہ کا جس کی نظامت کو منشی احتشام علی صاحب رئیس کاکوری و لکھنؤ نے اپنے ذمے لیا۔ دوسرا صیغہ انتظامِ تعلیم کا جسے شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی نے قبول فرمایا اور اپنی خدمات بلا معاوضہ تنخواہ کمال فیاضی سے ندوہ کی نذر کردیے۔ تیسرا صیغہ مراسلت اور نامہ و پیام کا جس کے ناظم مولانا عبدالحی صاحب مقرر ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ انتظام قابلِ اطمینان ہے اور اب ان شاء اللہ ندوۃ العلما کو ترقی ہوگی۔'' (پندرہ روزہ اتحاد، لکھنؤ، یکم مئی 1905، ص6)

علامہ شبلی کی تقریر: ندوہ میں

1905 کے جلسے میں بعض طلبہ اور علامہ شبلی نے تقریریں کیں، اس کی رپورٹ مولوی عبدالحلیم شرر نے لکھی ہے اور اس میں جا بجا اپنے منفی جذبات کی بھی عکاسی کی ہے۔ اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے خاص تقاریر سے متعلق ان کی تحریر نقل کی جاتی ہے:

''ندوہ میں ایک دارالمباحثہ (ڈبیٹنگ کلب) بھی ہے اور طلبہ تقریر کرنے کی مشق کرتے ہیں۔ ان میں سے دو طلبہ کی خواہش ہے کہ اپنی اس کوشش کا نمونہ آپ کو بھی دکھائیں، چناں چہ پہلے مولوی محمد سلیمان صاحب نے اور ان کے بعد مولوی محمد ضیاء الحسن نے تقریریں کیں۔ ان کی تقریریں اوسط درجے کی تھیں جن کو کسی تجویز اور رزولیشن سے علاقہ نہ تھا بلکہ دینی و عربی تعلیم کی ضرورت پر اور عموماً ندوہ کے محاسن و فضائل میں تھیں۔

ان کے بعد مولانا شمس العلما شبلی نعمانی کھڑے ہو کے ایک نہایت عمدہ تقریر کی۔ اگرچہ ہماری بدقسمتی سے مولانا کو اس روز بخار آ گیا تھا مگر کوشش فرما کے اور جبر گوارا کر کے نہایت ہی جامع و مانع اور موثر تقریر کی۔ انھوں نے پرانی اور نئی تعلیم والوں کی خوبیاں اور نیز ان کے نقصانات غیر معمولی فصاحت و وضاحت سے بتائے اور پھر ثابت کردیا کہ ندوہ ان نقصانوں کو کیوں کر رفع کردے گا۔ اس مسئلے کو حل کردیا کہ دارالعلوم ندوہ جس قسم کے تعلیم یافتہ تیار کرے گا ان کی زمانے کو اور مسلمانوں کو کیا اور کس قدر ضرورت ہے۔''

(اتحاد لکھنؤ، یکم مئی 1905، ص7)

اس کے بعد مولوی عبدالحلیم شرر نے اس اجلاس کی پوری روداد لکھی ہے اور اس میں جا بجا اپنے مخالفانہ خیالات کا اظہار ہے۔

موازنۂ انیس و دبیر

اتحاد لکھنؤ کے 16 جون 1905 کے شمارے میں منظر اشہر صاحب کے ایک خط پہ جو 'پیسہ' لاہور میں چھپا تھا، مولوی عبدالحلیم شرر نے اس پر تبصرہ کیا ہے اور لکھا ہے:

''منظر اشہر صاحب نے 'پیسہ' اخبار کے ذریعے سے حضرت شاد کے نام ایک کھلی چھٹی لکھی ہے، جس میں وہ افسوس کرتے ہیں کہ میر انیس مرحوم کی لائف لکھنے کا کوئی شخص قصد نہیں کرتا۔ ان کا الزام دینا صحیح ہے، مگر اس کے ذمے دار خود میر انیس کے خاندان کے لوگ ہیں جو غیر مطبوعہ مرثیوں کے ساتھ میر انیس کے حالات بتانے میں بخل کرتے ہیں اور خود لکھنے کا قصد نہیں کرتے، مگر ہم منظر اشہر صاحب کو اطلاع دیتے ہیں کہ شمس العلما مولانا شبلی نعمانی نے ایک ایسی کتاب لکھی ہے جس میں میر انیس اور مرزا دبیر کے حالات جو کچھ معلوم ہوسکتے ہیں درج کیے ہیں اور ان کے کلام کا باہم مقابلہ کر کے رائے قائم کردی ہے۔''

(اتحاد لکھنؤ، 16 جون 1905، ص2)

عزمِ شبلی پر تنقید اور ان کا شملہ سفر

علامہ شبلی نعمانی بڑے عزم اور حوصلے کے ساتھ ندوہ آئے تھے اور اس کا ذکر انھوں نے بعض احباب کے نام اپنے خطوط میں کیا ہے۔ مولوی بشیر الدین اٹاوہ کے نام خط میں بھی اس کا ذکر آ گیا تھا، شرر کی نظر میں یہ نہایت بھونڈے انداز کا ذکر ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں:

''مولانا شبلی نے ایڈیٹر صاحب البشیر (مولوی بشیر الدین) کو ایک پرائیویٹ تحریر میں اس قسم کے الفاظ لکھے تھے کہ مجھے اپنی زبان سے تو اتنا بڑا دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی کہ اپنی زندگی ندوۃ العلما کی نذر کردی ہے مگر ہاں میرے طرزِ عمل سے لوگوں نے ایسا ہی اخذ کیا ہے۔ یہ الفاظ ایشیائی انکسار کی وضع ظاہر کر رہے تھے، مگر بعض حضرات کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ مولانا نے شاید ایسا ارادہ نہیں کیا، مگر ہم اطمینان دلاتے ہیں کہ مولانا کے اس ایثارِ نفس میں شبہ نہیں کرنا چاہیے۔ انھوں نے ندوہ کے عام جلسے میں اس بات کا اعتراف کیا تھا، جس پر اب تک قائم ہیں۔

فی الحال مولانا ندوہ ہی کی ضرورتوں سے شملہ تشریف لے گئے ہیں اور خوشی کی بات ہے کہ وہاں کے مسلمانوں نے ذوق و شوق کے ساتھ بلایا ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے مولانا کامیابی کے ساتھ بہت جلد واپس تشریف لائیں گے اور مستعدی سے دیگر مقامات کا سفر شروع کریں گے، کیوں کہ ندوہ کو فی الحال ایسی ہی مستعدی کی ضرورت ہے۔'' (اتحاد لکھنؤ، 16 جولائی 1905، ص4)

شبلی کی ندوہ آمد

علامہ شبلی نعمانی (1857-1914) سر رشتہ علوم و فنون حیدر آباد کی نظامت سے مستعفی ہو کر مستقل طور پر ندوہ لکھنؤ آ گئے۔ اس وقت ان

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

کے بچپن کے احباب میں مولوی عبدالحلیم شرر لکھنؤ سے پندرہ روزہ رسالہ ’اتحاد‘ نکالتے تھے۔ اس کا بس ایک ہی مقصد تھا کہ مذاہب اور فرقوں کے اختلافات ختم کیے جائیں اور اسی عناوین سے اکثر ان کے شذرے ہوتے تھے۔ بعض علمی وادبی اور تعلیمی خبریں بھی اس میں شائع ہوتی تھیں۔ اس میں کئی خبریں ناچیز کی نظر سے گزریں تو خیال ہوا کہ کیوں نہ قدردانانِ شبلی کو بھی سنائی جائیں جیسے آل انڈیا محمڈن اینگلو اورینٹل کانفرنس کا اس سال کا اجلاس لکھنؤ میں ہوا مگر مولانا حالی اور شبلی دونوں شریک نہیں ہوسکے۔ عبدالحلیم شرر نے لکھا ہے کہ اگرچہ مجمع بہت تھا مگر ان کی عدمِ شرکت کی وجہ سے اجلاس سونا سونا لگا۔ اسی سال علامہ شبلی مستقل طور پر ندوہ آئے، اس وقت ندوہ کی مالی حالت دگرگوں تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اپنی ایک تحریر میں اس کا ذکر کیا ہے۔ مولوی عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں:

> ’’ندوۃ العلما کی حالت اگرچہ نازک ہے مگر شمس العلما مولانا شبلی نعمانی جس توجہ وسرگرمی سے متوجہ ہوئے ہیں اس سے امید ہوتی ہے کہ شاید گوہرِ مقصود ہاتھ آجائے۔ مولانا کا ارادہ ہے کہ ندوہ کی اعانت کے لیے ہندوستان کا دورہ کریں اور مختلف مقامات میں جاکر لوگوں کو ندوہ کی ضرورت اور اس کے فوائد سے مطلع کریں۔ مولانا نے اگر اتنی تکلیف گوارا کی یقیناً ندوہ کو فائدہ پہنچے گا اور پھر ندوہ مسلمانوں کے حق میں اکسیر ثابت ہوگا۔‘‘ (اتحاد لکھنؤ، 16 مئی 1905، ص4)

کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مولوی عبدالحلیم شرر تحرک ندوۃ العلما کے ابتدا سے مخالف تھے۔ اس کا خود انھوں نے اعتراف کیا ہے مگر علامہ شبلی کی ندوہ آمد سے انھیں بھی امید ہوگئی تھی کہ شاید اب یہ مسلمانوں کے لیے اکسیر ثابت ہوجائے۔ بالآخر ان کی رائے سچ ثابت ہوئی۔ اس کا بھی انھوں نے اعتراف کیا ہے۔ (ایضاً)

شبلی شناسی کی نئی جہات

یہ پروفیسر اشتیاق احمد ظلی صاحب (سابق ڈائرکٹر دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ) کی معرکہ آرا تصنیف ہے جو حال یعنی 2025 میں دارالمصنّفین سے شائع ہوئی ہے۔ خدا کرے یہ ان کی آخری تصنیف ثابت نہ ہو اور وہ ابھی شبلی شناسی کے جو پہلو ادھورے ہیں ان کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔

علامہ شبلی 16 برس تک ایم اے او کالج علی گڑھ میں عربی وفارسی کے پروفیسر رہے۔ ان کی تصنیف وتالیف کا عہدِ شباب وہیں گزرا۔ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین علی گڑھ کے کئی برس تک وہ ایڈیٹر رہے اور سرسید احمد خاں کی ادارت میں نکلنے والے ماہانہ مجلّہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں بھی مضامین، مراسلات اور منظومات (قصائد ومثنوی) وغیرہ لکھتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علی گڑھ کالج کی سرگرمیوں کا وہ بنیادی حصہ رہے۔ پروفیسر ظلی صاحب کا خیال ہے کہ علامہ شبلی واحد ایسے پروفیسر تھے جو مینجنگ کمیٹی کا حصہ نہ ہوتے ہوئے بھی ہر جگہ شامل رہے اور اپنی بصیرت سے کالج کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ ان کی ہر طرح کی سرگرمیوں کا سرسیّد نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں ذکر کیا ہے، جسے اس کتاب میں یکجا کیا گیا ہے۔

علامہ شبلی کے علی گڑھ کالج سے مستعفی ہوجانے کے بعد بھی ان کی علمی وادبی، تعلیمی اور ملّی سرگرمیوں کی تفصیلات علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں شائع ہوتی رہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں ’حیاتِ شبلی‘ کا ایک بڑا حصہ پوشیدہ تھا۔ اس سے مولانا سید سلیمان ندوی کو جو کچھ ملا اس سے انھوں نے حیاتِ شبلی کی تصنیف میں کام لیا۔ ان کے بعد مشتاق حسین (سابق لائبریرین مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ) نے ’باقیاتِ شبلی‘ میں پیش کیا۔ راقم نے اپنی تصانیف ’باقیاتِ شعرِ شبلی‘ اور ’باقیاتِ نثرِ شبلی‘ میں بھی اس سے استفادہ کیا ہے۔ اب اور جو کچھ رہ گیا تھا اسے پروفیسر ظلی صاحب نے اس پیرانہ سالی میں نہایت محنت، دقتِ نظر اور تلاش وتفحص سے یکجا کردیا ہے۔ اب شاید ہی کوئی ایسی اہم معلومات ہوں جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں پوشیدہ رہ گئی ہوں اور سامنے نہ آسکی ہوں۔ البتہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے وہ شمارے جو علی گڑھ میں دستیاب نہیں ہیں، اس کا امکان ہے کہ اس میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور مواد ہوگا۔

اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس پر جابجا توضیحی حواشی لکھ کر اس کی افادیت میں بے حد اضافہ کردیا گیا ہے۔ کتاب کا مفصل مقدمہ کتاب کی جان ہے۔ علی گڑھ کالج اور اس کی تاریخ سے اور کالج کی روایات سے ظلی صاحب سے بہتر کون واقف ہوگا۔ ان کی تقریباً تمام زندگی وہیں گذری ہے۔ کچھ طالبِ علمی میں اور زیادہ تر شعبۂ تاریخ کے استاد وصدر کی حیثیت سے۔ اور اب وظیفہ یاب ہوکر بھی اسی علی گڑھ کے حصار میں ہیں۔ یہی واقفیت اس کتاب کو زیادہ معلومات افزا اور رتبۂ بلند تک پہنچاتی ہے۔

اس نہایت معلومات افزا کتاب کے بعض مضامین مصنف موصوف کے قلم سے ماہنامہ ’معارف‘ اعظم گڑھ میں جس کے وہ عرصے تک مدیر رہے اور نہایت عمدہ شذرات لکھے، گرچہ پہلے شائع ہوچکے، لیکن اب تمام نودریافت تحریریں، مراسلات اور منظومات فارسی یکجا ہوگئی ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی یہ کتاب مطالعۂ شبلیات میں نہایت عمدہ اور بیش قیمت اضافہ ہے۔ شبلیات کا کوئی بھی طالبِ علم اور محقق اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ خاص طور پر شبلی وعلی گڑھ کا مطالعہ وجائزہ پیش کرنے والے اس سے صرفِ نظر کریں گے تو ان کا مطالعہ اور تحقیق دونوں ناقص ہوں گے۔

علامہ شبلی نعمانی:

وحیدِ عصر ویکتائے زمن

علامہ شبلی نعمانی کی عظیم المرتبت شخصیت اور ان کے کارناموں پر مشتمل مجموعۂ مقالات کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ تقریباً ایک درجن سے زاید مجموعہ مقالات اب تک شائع ہوچکے ہیں۔ یہ مجموعہ بھی اسی سلسلۂ زرّیں کی ایک خوب صورت کڑی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک اہم مجموعہ ہے جو اسی سال یعنی 2025 میں آبجیکٹو اسٹڈیز، نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اس کے مرتبین میں سید جمال الدین صاحب اور پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی (سابق صدر شعبۂ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ ہمارے دوست ڈاکٹر علاء الدین خاں (صدر شعبۂ تاریخ شبلی نیشنل پی جی کالج اعظم گڑھ) اور شاہ اجمل فاروق ندوی نے ان کی معاونت کے فرائض انجام دیے ہیں۔ اس ضخیم مجموعۂ مقالات سے علامہ شبلی نعمانی کے متنوع اوصاف وکمالاتِ علمی وادبی اور ملی سامنے آجاتے ہیں۔ ’تفہیمِ شبلی‘ جو ہمارے کرم فرما ڈاکٹر ارشاد نیازی صاحب استاذ شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے مرتب کیا ہے، وہ بھی اسی سلسلہ کا ایک حصہ ہے۔ ڈاکٹر مہ جبیں زیدی نے بھی شبلی صدی کے موقعے پر ایک ضخیم مجموعۂ مقالات ’شبلی صدی کے آئینے میں‘ مرتّب کیا تھا اور جسے ’قرطاس‘ کراچی نے شائع کیا ہے۔

ان مجموعۂ مقالات سے علامہ شبلی کی ایک جامع کمالات شخصیت بلکہ ان کے بارے میں چند نئے پہلو بھی آجاتے ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی یہ تازہ اور نیا مجموعہ یہ ایک عمدہ انتخاب ہے۔ سوائے ناچیز راقم کے مضمون ’بیانِ شبلی: چند نوادر‘ کے سب کے سب نہایت عمدہ اور معلومات افزا مضامین شامل ہیں۔ فاضل مرتبین اور معاونین کے ساتھ اشاعت کے لیے آبجیکٹو اسٹڈیز، نئی دہلی کے ذمے داران بھی لائقِ شکریہ وستائش ہیں۔

شبلی: یشونت راؤ چوہان یونیورسٹی مہاراشٹر امیں

علامہ شبلی نعمانی کی نصابی کتاب تاریخ بدء الاسلام اور انٹرنس کورس فارسی، انٹرمیڈیٹ کورس فارسی اور بی اے کورس فارسی ان کی زندگی ہی میں نصاب میں شامل تھیں، شعرالعجم کو بھی پنجاب یونیورسٹی لاہور نے اپنے نصاب میں شامل کرلیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ اس کے متعدد خلاصے مختلف اہلِ قلم نے شائع کیے مگر جب حافظ محمود شیرانی کی مسلسل کئی برس تک جاوبے جا تنقیدیں انجمن ترقی اردو کے ترجمان ’اردو‘ میں شائع ہوئیں تو شعرالعجم نصاب سے خارج کردی گئی اور پھر اسی پر یہ تنقیدی سلسلہ بند ہوگیا۔ (دیکھیں: دیباچہ ’تنقید شعرالعجم‘ از حافظ محمود شیرانی)

لیکن علامہ شبلی کو نصاب میں پڑھائے جانے کا یہ سلسلہ نہیں رکا اور اب تک جاری ہے۔ اس کے بعد ہی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب ’انتخاباتِ شبلی‘ نصاب میں شامل کی۔ اب بھی وہاں نصاب میں علامہ شبلی کے ادبی کارنامے اور ان کے افکار وخیالات شعبۂ اردو میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں بھی علامہ شبلی کی کتابیں ’شعرالعجم‘ اور ’موازنۂ انیس ودبیر‘ وغیرہ نصابِ تعلیم میں معاون کتب کا حصہ ہیں۔

اب نسبتاً ایک نئی یونیورسٹی جو مہاراشٹرا میں یشونت راؤ چوہان کے نام پر قائم ہوئی ہے، علامہ شبلی کی کتب اور ان کے افکار ونظریات اس کے نصاب کا حصہ ہیں۔ خوشی تو یہ ہے کہ نئی نسل کے نوجوان ادیبوں کا یہ کارنامہ ہے۔ اس کا تیسرا سمسٹر الطاف حسین حالی اور شبلی نعمانی کے حالات وسوانح اور کارناموں پر مشتمل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

شبلی نعمانی: سوانح، شخصیت اور عہد

اس کی چار اکائیاں ہیں:

۱۔ شبلی نعمانی کے سوانحی حالات اور عہد
۲۔ شبلی نعمانی: علی گڑھ اور ندوۃ العلما
۳۔ شبلی نعمانی کے شاگرد
۴۔ شبلی نعمانی اور دارالمصنّفین

مذکورہ عناوین کے علاوہ: شبلی نعمانی کی تنقید نگاری، شبلی نعمانی کے مقالات، شبلی نعمانی کی غیر افسانوی نثر، اور شبلی نعمانی کی شاعری وغیرہ موضوعات بھی شامل ہیں۔ اسی سمسٹر میں شبلی کی علمی وادبی خدمات کا مطالعہ بھی لازمی ہے۔ معاون کتب میں علامہ شبلی اور معاصر مصنّفین کے ساتھ اس حقیر کی کتاب ’آثارِ شبلی‘ بھی شامل ہے، جو اصلاً حیاتِ شبلی کا تکملہ ہے اور دارالمصنّفین اعظم گڑھ نے اسے نہایت اہتمام سے 2013 میں شائع کیا ہے۔

علامہ شبلی، ان کے افکار ونظریات اور اس شبلی شناسی کے لیے ہم یشونت راؤ چوہان یونیورسٹی کے اساتذہ اور دیگر ذمہ داران کا شکریہ ادا کرتے ہیں، ہمیں امید ہے کہ اس سے شبلی شناسی کو فروغ ملے گا۔

رپورٹ سب کمیٹی صیغۂ دینیات

1893 میں ایم اے او کالج علی گڑھ کی مینجنگ کمیٹی نے صیغۂ دینیات کے معائنے کے لیے ایک سب کمیٹی قائم کی تھی۔ اس کے اراکین میں حاجی محمد اسماعیل خان بہادر، مولوی سید زین العابدین خان بہادر اور مولانا شبلی نعمانی تھے۔ انھی تینوں بزرگوں نے اس کی تحریری رپورٹ پیش کی ہے، جو مطبع مفیدِ عام آگرہ سے شائع ہوئی ہے۔ بیس صفحات پر مشتمل اس رپورٹ پر تینوں اراکین کے نام درج ہیں، اس میں ایک نام علامہ شبلی نعمانی کا بھی ہے مگر اس میں نشاندہی نہیں ہوسکی کہ کس قدر حصہ علامہ شبلی کے قلم سے اور کس قدر دوسرے اراکین کے قلم سے ضبطِ تحریر میں آیا۔ (رپورٹ سب کمیٹی صیغۂ دینیات، مطبع مفیدِ عام، آگرہ)

...(بقیہ صفحہ 6 پر)

مظفر حنفی کی زندۂ جاوید شاعری

سراج زیبائی

یہ اردو زبان و ادب کی خوش قسمتی ہے کہ اسے مظفر حنفی جیسا صاحبِ طرز شاعر، پُرمغز نثر نگار اور ایک اعلا دانش ور میسر آیا۔ ابتدا ہی سے ہماری اردو دنیا نے انھیں سرآنکھوں پہ بٹھایا اور اپنا سرمایہ تسلیم کیا۔ نثر ہو کہ شاعری موصوف کا ادب میں ایک ایسا بڑا نام ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ مظفر حنفی اردو دنیا کے ان مایۂ ناز شاعروں اور دانشوروں میں سے ایک ہیں جنھوں نے عصری حسیت اور نئی جہت کے حوالے سے اپنے شعری سفر کی راہیں ہموار کیں۔ آج موصوف کی شاعری کی گونج پوری اردو بستیوں میں سنائی دیتی ہے، یہ اس لیے کہ ان کی شاعری تخیل کا اعلا نمونہ ہے۔ ان کی شعری کائنات میں تلاش و جستجو کے محرکات جا بجا دیکھنے کو ملتے ہیں کیوں کہ ان کی شاعری اپنی گہری فکر، مشقت اور پیہم ذہنی ریاضت سے نمو پاتی ہے۔ مظفر صاحب نے اپنے طویل شعری سفر میں نئے خوابوں کے خوب صورت موسم دیکھے ہیں اور خوابوں کی شکستگی بھی دیکھی ہے۔

ان کی ہر شعری تخلیق ازخود اپنے سخن کا تعارف کراتی ہے۔ محبت قطرۂ شبنم کی طرح نازک و لطیف اور زود حس ہوتی ہے۔ محبت کی لپٹیں انسان کے وجود کو سرشار و شرابور کر دیتی ہیں۔ لیکن مظفر صاحب نے اپنی شاعری میں محبت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

اب سوچتے بیٹھا ہوں کہ مصرف مرا کیا ہے
مجبور محبت ہوں نہ پابند وفا ہوں

نئے عہد کے جدید شعرا نے بھی نئی لفظیات کے استعمال سے اپنی شاعری میں معنی و مفاہیم کی ایک نئی اور انوکھی کائنات کے در وا کیے ہیں۔ زندگی کی سچائی اور معنی خیزی کا ندرت آمیز اظہار کیا ہے، اس کے لیے نہ جانے شاعر کو کتنی راتیں آنکھوں میں کاٹنی پڑی ہوں گی، جیسا کہ خود مظفر صاحب نے کہا تھا:

اس کھردری غزل کو نہ یوں منہ بنا کے دیکھ
کس حال میں لکھی ہے مرے پاس آ کے دیکھ

ہمارے اکثر شعرا خود کو دوہرانے کے سوا اور کچھ نہیں کرتے جب کہ موصوف کے ہاں اپنے لسانی تجربوں کا بیان ملتا ہے جو بہت ہی دل چسپ اور پُر لطف ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ان کے کچھ شعر دیکھیں:

بچپن میں آکاش کو چھوتا سا لگتا تھا
اس پیپل کی شاخیں اب کتنی نیچی ہیں

شاید کبھی بچپن میں کہیں ساتھ رہا ہے
آئینے میں اک شکل کو پہچان رہا ہوں

یوں پلک پر جگمگاتا دو گھڑی کا عیش ہے
روشنی بن کر مرے اندر ہی اندر پھیل جا

مظفر حنفی کی شعری سرشت اور لفظیات سے جو شعری توانائی پیدا ہوئی وہ ہمارے ذہن و روح کو سرشار کرتی رہی اور ایک طلسماتی فضا پیدا کرتی رہی۔ موصوف کی شاعری کا بنیادی وصف یہ ہے کہ انھوں نے اپنی آخری سانس تک بھی بدلتے موسموں کی آہٹوں کی شاعری کی اور نئے اسلوب اور نئے لہجے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ چاہے غزل ہو کہ نظم اظہار کی جدت اور بحروں کے خوب صورت انتخاب پر خاطر خواہ محنت کی۔ جبھی تو ان کی شاعری کا گداز اور نغمگی سماعت کو فوراً متاثر کرتی ہے۔ ان کی غزلوں کی ہیئت بڑی پُرکشش ہے جو ہر اعتبار سے مکمل اور بااثر محسوس ہوتی ہے۔

یہ اشعار مظفر صاحب کے ہمہ جہت ہونے کی دلالت پیش کرتے ہیں۔ ان شعروں میں موصوف اپنے مخصوص لہجے کو بازیاب کرنے کی تگ و دو میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے یہاں دو طرح کے خد و خال نمایاں نظر آتے ہیں۔ ایک روایت کے مثبت پہلوؤں کی پاسداری اور دوسرے عصرِ حاضر کی تیز نگاہی۔ ان کے یہ مزید اشعار ملاحظہ ہوں جن میں احساس کی تازگی اور فکر کی توانائی موجود ملتی ہے:

سنتا ہوں کہ تجھ کو ہی زمانے سے گلہ ہے
مجھ کو بھی یہ دنیا نہیں راس آئی ادھر آ

روتی ہوئی اک بھیڑ مرے گرد کھڑی تھی
شاید یہ تماشہ مرے ہنسنے کے لیے تھا

کانٹے بونے والا سچ مچ تو بھی کتنا بھولا ہے
جیسے راہی رک جائیں گے تیرے کانٹے بونے سے

اس نے مجھ کو یاد فرمایا یقیناً
جسم میں آیا ہوا ہے زلزلہ سا

پروفیسر مظفر صاحب کی ایسی ہی خوب صورت شاعری کو پڑھ کر پروفیسر محمد حسن نے بہت پہلے فرمایا تھا ''نئے شاعروں میں مظفر حنفی نے ندرتِ اظہار اور ادبی سنجیدگی میں پُروقار توازن برقرار رکھا ہے''۔ موصوف محض فاعلاتن فعلن کے چکر میں نہیں پڑتے بلکہ تغزل، شعریت اور زبان و بیان کی چاشنی ہی ان کا بنیادی وصف رہا۔

درجِ ذیل اشعار میں شاعر نے حیات و کائنات کے مختلف زاویوں کو پیش کرتے ہوئے ہر فرد کی ذہنی کشمکش کی عکاسی بھی نہایت عمدہ طریقے سے کی ہے۔ ان شعروں میں عہدِ حاضر کا کرب پوری شد و مد کے ساتھ جلوہ ریز ہوا ہے:

مجھ سے مت بولو میں آج بھرا بیٹھا ہوں
سگریٹ کے دونوں پیکٹ بالکل خالی ہیں

کانٹوں میں رکھ کے پھول ہوا میں اڑا کے خاک
کرتا ہے سو طرح سے اشارے مجھے کوئی

غموں پر مسکرا لیتے ہیں لیکن مسکرا کر ہم
خود اپنی ہی نظر میں چور سے معلوم ہوتے ہیں

غیروں کی داستاں میں اثر کیسے لاؤ گے
کچھ اپنے تجربوں کی حکایت رقم کرو

حضرت مظفر کے شعروں میں کبھی لایعنی باتیں ہم نے نہیں دیکھیں۔ جو کچھ ان کا ذہن سوچتا ہے اسے وہ اپنے عصری لب و لہجے میں بیان کر دیتے ہیں بقولِ خود:

ہمیشہ سے وہی کہتے ہیں جو محسوس کرتے ہیں
مظفر شاعری میں ہم سے عیاری نہیں ہوتی

اردو زبان و ادب کے نامور نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ مظفر صاحب کی شاعری کی بابت فرماتے ہیں: ''ڈاکٹر حنفی کے اکثر اشعار میں ایک خاص نوع کی واقعاتی فضا پائی جاتی ہے۔ آپ ہمارے دور کے ان چند شاعروں میں سے ہیں جن کی لفظیات کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ آپ ان تخلیق کاروں میں سے ہیں جنھوں نے وادیِ شعر میں اپنا سفر سینے کے بل طے کیا ہے''۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ اردو زبان و ادب کے حامی ہی نہیں بلکہ اردو کو جینے کا سلیقہ اور سوچنے کا طریقہ مانتے تھے۔ اردو زبان کو پروفیسر مظفر حنفی نے بھی ایک طرزِ زندگی کی طرح برتا اور تا دمِ آخر اسی زبان کے لیے زندہ رہے۔ کہتے ہیں:

ہماری تو عبادت میں ہے داخل
غزل کہنا کسی کو یاد کرنا

ہم بھی غزلیں پیش کریں گے اس دنیا دیوانی کو
جس نے پہلے دل نوچا ہے پھر چوما پیشانی کو

آپ کی شاعری میں نئی لفظیات کے ساتھ شاعر کا حسنِ سلوک بہت ہی نرالا نظر آتا ہے۔ کہنے کو مظفر حنفی صاحب ایک بسیار گو شاعر تھے لیکن پھر بھی نئی فکر کے ساتھ بعض دفعہ ادب کے افق پر طلوع ہوتے ہوئے اشعار قاری کو دے جاتے تھے جو حسن اور تزئین کاری کی وجہ سے ہمارے دلوں میں نقش ہو جاتے تھے۔ ان کی شاعری میں جو استعاراتی پیکر ہیں، وہ معنی میں امکانات کے کئی در وا کرتے ہیں۔ ان کی غزلوں کا وصف اس کا سہل ہونا ہے۔ انھوں نے روایتی راہ سے ہٹ کر اپنا راستہ خود بنایا اور زندگی کی مسلمہ حقیقتوں کے ساتھ عصری زندگی کے اہم مسائل کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ درج ذیل اشعار اس کی دلالت کرتے ہیں:

خوشبوئیں سر پیٹ رہی ہیں
کھڑکی کھولو کھڑکی کھولو

اے مظفر اس گھنی کالی گھٹا کو کیا کہیں
جو سرابوں کی طرح پانی کو ترسائے ہمیں
ختم ہونے کو نہیں آتا ہمارا ٹوٹنا
ڈوبنے والا ستارا دیکھتا جائے ہمیں

سنگ ریزوں کا بھی حق ہے تجھ پر
خون اے آبلہ پا دیتا جا

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

اُردو پرائمری اسکولوں میں
اردوداں صدر مدرّسوں کی ہی تقرری کی جائے

حاجی پور (23 جولائی)۔قمر اعظم صدیقی (بانی وایڈمن ایس آر میڈیا) نے پریس ریلیز جاری کرکے بتایا کہ بہار کے ڈائرکٹر پرائمری ایجوکیشن نے گذشتہ 14 جولائی 2025 کو اپنے لیٹر نمبر 1934 کے ذریعے بہار کے پرائمری اسکولوں کے لیے 35333 صدر مدرّسوں کی تقرری کا حکم نامہ جاری کیا ہے۔اس تقرری میں بڑی بے ضابطگی ہوگئی ہے۔غیر اردو داں صدر مدرّسوں کو اردو اسکولوں میں اور اردو داں اساتذہ کو ہندی اسکولوں میں صدر مدرّس مامور کردیا گیا ہے۔ایک اندازے کے مطابق 80 سے 90 فیصد اردو اسکولوں میں ہندی داں اساتذہ مامور ہوگئے ہیں۔واضح ہو کہ اردو اسکولوں میں ذریعۂ تعلیم اردو ہوتا ہے، اردو اسکولوں کے سارے ریکارڈ بشمول طلبہ اور اساتذہ کے حاضری رجسٹر، روٹین، نوٹس وغیرہ سارے اردو میں ہوتے ہیں، لہٰذا غیر اردو داں صدر مدرّسوں کی تعیناتی سے اردو کی تعلیم بھی متاثر ہوگی اور سارے ریکارڈ اردو کے بجائے ہندی میں بدل جائیں گے۔اس طرح کی بدنظمی سے اردو طلبہ کے ساتھ بڑی ناانصافی وحق تلفی ہوگی، لہٰذا میں بہار کے معزز وزیرِ اعلا جناب نتیش کمار، اقلیتی امور کے وزیر زمان خاں، اقلیتی کمیشن کے چیئرمین جناب غلام رسول بلیاوی، ساتھ ہی وزیرِ تعلیم اور برسرِ اقتدار موجودہ ایم ایل سی جناب خالد انور، حزبِ مخالف ایم ایل سی جناب قاری صہیب، اے.آئی.ایم کے موجودہ ایم ایل اے جناب اختر الایمان اور سبھی ذمے داران وانصاف پسند ایم ایل اے وایم ایل سی، تعلیمی عہدے پر فائز افسران اور اردو کے فروغ کے لیے کوشاں رہنے والے تمام اداروں کے ذمے داروں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اس مسئلے کے حل کے لیے آگے آئیں تاکہ اردو اسکولوں میں دوبارہ سے اردو اساتذہ کی تقرری کو یقینی بنایا جاسکے جس سے تعلیم اور روزمرہ کے کاموں کو معمول پر لایا جاسکے۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

اقوامِ متحدہ کی اہم دستاویزات
اب اردو زبان میں بھی دستیاب ہوں گی

جنیوا (ایجنسی)۔اقوامِ متحدہ نے کثیر اللسانی ثقافت کے فروغ کے لیے ایک تاریخی اقدام کے طور پر اردو سمیت 27 زبانوں کو اپنی ثانوی دفتری زبانوں کی فہرست میں شامل کرلیا۔ عالمی خبر رساں ادارے کے مطابق اقوامِ متحدہ نے کثیر اللسانی شمولیت اور ثقافتی تنوع کو فروغ دینے کے لیے ایک اہم قدم اٹھاتے ہوئے اردو سمیت 27 دیگر زبانوں کو جنرل اسمبلی کی کلیدی دستاویزات کے سرکاری ترجموں میں شامل کرلیا ہے۔اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اہم متن کا اردو ترجمہ اردو مرکز نیویارک کے صدر رئیس وارثی نے جنرل اسمبلی کے صدرِ محترم ڈینس فرانسس کو پیش کیا۔صدرِ جنرل اسمبلی ڈینس فرانسس نے اپنی صدارت کے دوران کثیر اللسانی روایت کو اولین ترجیح قرار دیا ہے، اور اُن کی قیادت میں کئی رکنِ ممالک نے 'مستقبل کے معاہدے' کے ترجمے میں معاونت فراہم کی۔اس سے قبل جنرل اسمبلی کی دستاویزات صرف عربی، چینی، انگریزی، فرانسیسی، روسی اور ہسپانوی زبان میں دستیاب تھیں، اب ان میں اردو سمیت 27 اضافی زبانوں کا ترجمہ شامل کیا گیا ہے جس سے دنیا بھر کے 5.3 ارب سے زائد افراد کو ان کی مادری زبانوں میں ان دستاویزات تک رسائی حاصل ہوگئی ہے۔ترجمے کے اس تاریخی منصوبے کی تکمیل پر 17 جولائی کو اقوامِ متحدہ کے ہیڈ کوارٹر نیویارک میں ایک خصوصی تقریب منعقد ہوئی، جس میں ان ممالک اور اداروں کا شکریہ ادا کیا گیا جنھوں نے اس اقدام میں معاونت کی۔

اردوداں اساتذہ کو نظر انداز کرکے اردو اسکولوں میں غیر اردوداں ہیڈ ٹیچر کی تقرری

پٹنہ (16 جولائی)۔ریاستِ بہار میں اردوداں اساتذہ کی ناراضگی اُس وقت شدت اختیار کرگئی جب اردو اسکولوں میں غیر اردوداں اساتذہ کو ہیڈ ٹیچر کے طور پر تعینات کیا گیا۔اس فیصلے کے خلاف بہار اسٹیٹ اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن کے ریاستی صدر قمر مصباحی نے بہار کے وزیرِ اعلا نتیش کمار، وزیرِ تعلیم سنیل کمار اور محکمۂ تعلیم کے ایڈیشنل چیف سکریٹری ڈاکٹر ایس سدھارتھ کو ایک تفصیلی میمورنڈم بذریعۂ ای میل ارسال کیا ہے۔میمورنڈم میں قمر مصباحی نے اس اقدام کو اردو دشمنی اور ایک گہری سازش قرار دیا ہے۔انھوں نے کہا کہ مسلم اکثریتی علاقوں میں اردو اسکولوں کا قیام حکومت کا قابلِ ستائش قدم تھا، جہاں آزادی کے بعد سے اب تک ہیڈ ماسٹر سمیت اکثر اساتذہ اردو داں ہی بحال ہوتے آئے ہیں، مگر حالیہ تبادلوں میں اس روایت کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اردو اسکولوں میں غیر اردو داں اساتذہ کو ہیڈ ٹیچر بنادیا گیا ہے جب کہ اردو داں اساتذہ کو ہندی اسکولوں میں بھیج دیا گیا ہے۔قمر مصباحی نے کہا کہ اردو اسکولوں میں تمام تدریسی اور دفتری امور اردو زبان میں انجام دیے جاتے ہیں۔ایسی صورت میں ایک غیر اردو داں ہیڈ ٹیچر کی تقرری تعلیمی معیار کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی توہین بھی ہے۔انھوں نے کہا کہ یہ فیصلہ نہ صرف افسران کی ذہنیت اور تعصب کی عکاسی کرتا ہے بلکہ یہ اردو زبان کے وجود کو مٹانے کی سوچی سمجھی کوشش معلوم ہوتی ہے۔انھوں نے سوال کیا کہ جب اردو داں ہیڈ ماسٹر موجود ہیں تو پھر آخر حکومت کو کیا مجبوری لاحق ہوئی کہ غیر اردو داں اساتذہ کو اردو اسکولوں میں بھیجا جارہا ہے؟ کیا یہ اردو زبان اور اردو بولنے والے طبقے کے ساتھ ناانصافی نہیں؟ قمر مصباحی نے حکومتِ بہار اور محکمۂ تعلیم کے اعلا افسران سے مطالبہ کیا ہے کہ اردو اسکولوں کی اہمیت اور اردو زبان کی سرکاری حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے سابقہ روایت کے مطابق صرف اردو داں اساتذہ کو ہی اردو اسکولوں کا ہیڈ ٹیچر تعینات کیا جائے۔انھوں نے یہ بھی انتباہ دیا کہ اگر اس مطالبے پر سنجیدگی سے غور نہ کیا گیا تو اردو اساتذہ احتجاج پر مجبور ہوں گے۔

(قومی تنظیم۔پٹنہ)

عربی اور فارسی کو جامعہ عثمانیہ کے گریجویٹ کورس میں واپس لیا جائے
عثمانیہ یونی ورسٹی کے اقدام پر لنگویجز ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کا اجلاس

حیدرآباد (21 جولائی)۔روزنامہ 'اعتماد' حیدرآباد میں شائع کردہ خبر پڑھنے کے بعد تنظیم ترقیِ لسانیات کے دفتر بنجارہ ہلز، روڈ نمبر 12 پر ایک اجلاس بہ ضمن عثمانیہ یونی ورسٹی کے بی بی اے و دیگر ٹیکنیکل انڈر گریجویٹ کورس سے عربی و فارسی کو غائب کردینے پر صدر نشین لنگویجز ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن ڈاکٹر حافظ محمد صابر پاشاہ قادری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ڈاکٹر محمد صابر پاشاہ قادری نے کہا کہ جامعہ عثمانیہ، جو کبھی اردو، عربی اور فارسی زبانوں کی تعلیم کا عالمی مرکز تھا، آج وہاں سے عربی اور فارسی زبانوں کو بعض کورس سے خاموشی سے خارج کیا جارہا ہے۔ فارسی وہ زبان ہے جس نے برِّصغیر میں تصوف، اخلاق، حکمت اور اسلامی ادب کو عام کیا۔جامعہ عثمانیہ ہی وہ پہلی یونی ورسٹی تھی جہاں اردو کو ذریعۂ تعلیم بنایا گیا۔اردو کو اگر باقی رکھ کر عربی و فارسی کو ختم کیا جائے تو یہ ایک لسانی منافقت کے مترادف ہے۔کیا عربی و فارسی زبانیں ہماری ثقافت کا حصہ نہیں؟ ڈاکٹر حافظ محمد صابر پاشاہ قادری نے اربابِ مجاز سے مطالبہ کیا کہ بی بی اے اور دیگر ٹیکنیکل کورس میں عربی اور فارسی کو فوری طور پر بحال کیا جائے اور زبانوں کو جامعہ عثمانیہ کی شناخت کا مستقل حصہ قرار دیا جائے۔ (اعتماد۔حیدرآباد)

غالب انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے
پروفیسر عبدالستار دلوی کو انجمنِ اسلام ممبئی میں استقبالیہ

ممبئی (26 جولائی، پریس ریلیز)۔غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام معروف اردو محقق اور ماہرِ لسانیات پروفیسر عبدالستار دلوی کی علمی خدمات کے اعتراف میں استقبالیہ جلسہ احمد زکریا ہال، انجمنِ اسلام، دادا بھائی نوروجی روڈ، ممبئی میں منعقد ہوا۔جلسے کی صدارت انجمنِ اسلام کے صدر ڈاکٹر ظہیر قاضی نے کی۔اپنے صدارتی خطاب میں انھوں نے کہا پروفیسر عبدالستار دلوی نے جس خلوصِ نیت سے اردو زبان وادب کی خدمت انجام دی ہے اسی کھلے دل سے لوگوں نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے جس سے فائدہ اٹھا کر وہ قیمتی نتائج برآمد کرتے ہیں۔وہ صرف اردو اور مراٹھی زبان کے ماہر ہی نہیں بلکہ ممبئی اور کوکن کی تاریخ کے بھی منفرد اسکالر ہیں۔جب انھوں نے انجمنِ اسلام اردو ریسرچ سنٹر کی ذمے داری سنبھالی تب وہ تقریباً بسترِ مرگ پر تھا، آپ کی کوششوں اور خلوص سے اس کو نئی زندگی ملی۔غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ادریس احمد نے کہا انسٹی ٹیوٹ کی سرگرمیوں میں اہم سرگرمی اردو کے ممتاز ادیبوں کے اعزاز میں تہنیتی جلسوں کا انعقاد بھی ہے۔یہ استقبالیہ انھی شخصیات کے لیے منعقد ہوتا ہے جنھوں نے ہماری تربیت کی ہے اور ان کے افکار وخیالات سے ہم نے لکھنا پڑھنا اور سوچنا سیکھا ہے۔لہٰذا یہ استقبالیہ نہ تو تعارف کا ذریعہ ہے اور نہ اس کی حیثیت ادبی انعام جیسی ہے بلکہ اس میں شکرگزاری کا جذبہ سب سے نمایاں ہے۔پروفیسر عبدالستار دلوی صاحب نے اپنی عمر کا بڑا حصہ تدریس میں گزارا ہے۔آپ کے شاگرد آج ہندستان کی بہترین دانش گاہوں میں پروفیسر اور صدرِ شعبہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔آپ کی تحریروں نے ادب کے مطالعے کا مختلف زاویہ قائم کیا ہے۔ پروفیسر اقبال نے اس جلسے میں بطور مہمانِ خصوصی شرکت کی۔اپنی گفتگو میں انھوں نے کہا کہ پروفیسر عبدالستار دلوی سے میری پہلی ملاقات ایک لائبریری میں ہوئی تھی اس وقت آپ ڈائرکٹر کی پوسٹ پر تھے لیکن آپ کے برتاؤ کی سادگی اور انسانیت نے میرے ذہن پر جو اثر ڈالا اس کی یاد آج تک ذہن میں تازہ ہے۔مجھے خوشی ہوئی کہ غالب انسٹی ٹیوٹ نے ممبئی آکر آپ کو استقبالیہ دیا۔ڈاکٹر فیاض احمد فیضی نے پروفیسر عبدالستار دلوی پر ایک خاکہ نما تحریر پیش کی جس میں ان کی شخصیت کے جملہ پہلوؤں کو شامل کیا۔جناب جاوید جمال الدین نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ عبدالستار دلوی اس شخصیت کا نام ہے جن کی وجہ سے بچے اعلا تعلیم کی جانب رخ کرتے تھے۔ڈاکٹر مرلی رنگناتھن نے بھی دلوی صاحب سے اپنے دیرینہ تعلقات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پروفیسر عبدالستار دلوی جتنی اچھی مراٹھی اور اردو جانتے ہیں، اتنی ہی اچھی انگریزی بھی جانتے ہیں۔مجھے اردو کی طرف راغب کرنے میں ان کی شخصیت کا نمایاں کردار ہے۔جلسے میں شہر کی اہم علمی وادبی شخصیات نے شرکت کی۔

وزیرِ اعلا بہار سے اردو مشاورتی بورڈ اور اُردو اکادمی کی تشکیلِ نو کا مطالبہ

پٹنہ (24 جولائی)۔ عبدالقیوم انصاری (سکریٹری انجمن ترقی اردو بہار اور سابق چیئرمین بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ) نے پریس بیان جاری کر کے کہا ہے کہ بہار کے وزیرِ اعلا نتیش کمار نے اردو کے فروغ کے لیے نمایاں کردار ادا کیا ہے، ان کے ذریعے اردو ڈائرکٹوریٹ کو بااختیار ادارہ بنایا گیا ہے، اور اردو ڈائرکٹوریٹ کے دفتر کے لیے ہندی ساہتیہ بھون کا ایک فلور مہیا کرایا گیا ہے۔ ساتھ ہی اردو کے فروغ کے لیے صوبہ بہار کے تمام کلکٹر کو سمینار، مشاعرہ اور تحریری و تقریری مقابلے کرانے کے لیے تین لاکھ روپے فی ضلع اردو ڈائرکٹوریٹ کے ذریعے بھیجا جا رہا ہے۔ حال کے دنوں میں اردو نائب مترجمین کی 3306 پوسٹیں وضع کی گئی ہیں، جس میں 2382 خالی عہدوں پر تقرری کا عمل جاری ہے۔ ان تمام کارکردگی کے باوجود بہار میں دو فعال اور متحرک ادارے بہار اردو اکادمی اور اردو مشاورتی بورڈ کی تشکیل نہیں ہونے کی وجہ سے دونوں مفلوک الحال پڑے ہوئے ہیں، جب کہ بہار اردو اکادمی کے ذریعے شاعروں اور ادیبوں کی اعانت کی جاتی تھی اور اردو کتابوں کی اشاعت میں معاونت کی جاتی تھی، اور اردو مشاورتی بورڈ کے ذریعے بہار میں دوسری سرکاری زبان اردو کے فروغ کے لیے کام ہوتا رہا ہے، اس لیے میں نے جناب نتیش کمار وزیرِ اعلا بہار کو مکتوب لکھ کر جلد سے جلد بہار اردو اکادمی اور اردو مشاورتی بورڈ کی تشکیلِ نو کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وزیرِ اعلا بہار جلد سے جلد اردو اکادمی اور اردو مشاورتی بورڈ کی تشکیلِ نو کر کے اردو آبادی کے دیرینہ مطالبوں کو پورا کریں گے۔ واضح ہو کہ دونوں اداروں کے لیے جو بجٹ میں رقم مختص کی گئی ہے وہ بورڈ کے ذمے داروں کے نہیں رہنے کی وجہ سے خرچ نہیں کی جا رہی ہے، اور ہر سال وہ رقم واپس ہو رہی ہے۔

(قومی تنظیم۔ پٹنہ)

اردو کی بقا کے لیے کچھ نئے اقدام کرنے ہوں گے

ٹیم 'انقلاب' کے ساتھ ہمدرد لیباریٹریز کے چیئرمین عبدالمجید ثانی کی خصوصی گفتگو

نئی دہلی (یکم جولائی)۔ ہمدرد لیباریٹریز کے چیئرمین عبدالمجید ثانی نے کہا کہ اس وقت اردو والوں کو بڑے پیمانے پر اردو کے فروغ اور اس کی بقا کے لیے کچھ نئے اقدام کرنے ہوں گے اور اردو کو فقط اردو حلقوں تک محدود نہ سمجھ کر اس کی رسائی کو آسان بنانے اور غیر اردو داں حلقوں تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ وہ آج یہاں 'انقلاب' کی ایک خصوصی ٹیم سے گفتگو کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ مجھے یہ کہتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے کہ اردو کا استعمال خود اہلِ اردو کے یہاں کم ہوتا جا رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ دور ہمہ زبانی کا ہے اور اردو کے ساتھ ساتھ ہندی اور انگریزی پر بھی عبور حاصل کرنا ضروری ہے لیکن یہ دیکھ کر دُکھ ہوتا ہے کہ جن گھرانوں میں کبھی اردو ہی اوڑھنا بچھونا تھی وہاں آج اردو کا رواج کم ہوتا جا رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کو باقی رکھنے میں بڑی حد تک اردو اخبارات اور ان کے قارئین کا بڑا کردار ہے۔ انھوں نے طبِ یونانی اور دینی مدارس کو بھی اردو کی بقا کا ضامن قرار دیتے ہوئے کہا کہ نئی نسل کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اردو والوں کو کچھ ایسے نئے اقدام کرنے ہوں گے جن سے نئی نسل کو اردو کو آسانی کے ساتھ قبول کرنے کی تحریک پیدا ہو۔

واضح رہے کہ شمالی ہندستان میں مقبول ترین روزنامہ 'انقلاب' کو گذشتہ دنوں 14 سال پورے ہو گئے ہیں۔ اسی ضمن میں 'انقلاب' کی ایک خصوصی ٹیم حکیم عبدالمجید ثانی کو 'انقلاب' کے ساتھ مسلسل اشتراک جاری رکھنے پر شکریہ ادا کرنے گئی تھی۔ اس موقعے پر عبدالمجید ثانی نے بھی 'انقلاب' کے اڈیٹر اور پبلشر ودود ساجد اور آل انڈیا مارکیٹنگ ہیڈ اور جی ایم عارف محمد خاں کو کامیابی کے 14 سال پورے ہونے پر مبارک باد پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ 'انقلاب' اور ہمدرد کا رشتہ اٹوٹ ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ واضح رہے کہ گذشتہ کئی برسوں سے 'انقلاب' اور ہمدرد 'ہیلتھ کوئز' کا وہ مقبولِ عام پروگرام کرتے آ رہے ہیں جس کے نتیجے میں اب تک پچاس سے زائد خوش نصیب افراد عمرے کے مقدس سفر پر جا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئز کے دیگر فاتحین کو ہر سال مختلف قیمتی انعامات سے بھی نوازا جاتا ہے۔ پچھلے دو سال سے 'انقلاب' اور ہمدرد مختلف میدانوں کی بڑی شخصیات کو انتہائی باوقار ایوارڈ سے بھی نواز رہے ہیں۔ اس سال بھی ہمدرد کے تعاون سے ان دونوں پروگراموں کے انعقاد کی تیاری جاری ہے۔ عبدالمجید ثانی نے اڈیٹر 'انقلاب' سے دیگر بہت سے اہم امور پر بھی کھل کر بات کی۔ انھوں نے اردو کے فروغ کے لیے ہمدرد کے تعاون کی یقین دہانی بھی کرائی اور کچھ تجاویز بھی پیش کیں۔ اس موقعے پر ہمدرد لیباریٹریز کے سیلز اینڈ میڈیکو مارکیٹنگ کے ہیڈ محمد زبیر اور ہمدرد لیباریٹریز کے برانڈ منیجر شمیم احمد بھی موجود تھے۔ (انقلاب۔ دہلی)

اسمبلی میں اردو ٹی ای ٹی کے مسئلے پر ایم ایل سی نول کشور یادو سے وفد کی ملاقات

پٹنہ (24 جولائی)۔ پورے بہار کے اردو بنگلہ ٹی ای ٹی امیدوار تین دن سے اپنے رزلٹ جاری کرانے کے سلسلے میں میں پٹنہ میں ڈٹے ہوئے ہیں اور تمام مسلم ایم ایل سی اور ایم ایل اے سے ملاقات کر رہے ہیں۔ آج اسمبلی میں اردو بنگلہ ٹی ای ٹی کے ریاستی صدر مفتی حسن رضا امجدی کو لے جایا گیا جہاں اُن کی چند اراکینِ اسمبلی سے ملاقات کروائی گئی۔ اسمبلی میں ایم ایل سی نول کشور یادو سے امیدواروں نے اپنی پوری بات کہی کہ دس برسوں میں ایک اردو ٹی ای ٹی کا رزلٹ حکومت نے جاری نہیں کیا جب کہ محکمۂ تعلیم نے لیگل اوپینین بھی منگوا لیا جو امیدواروں کے حق میں آیا، اسی لیگل اوپینین کو دیکھتے ہوئے محکمۂ تعلیم نے پانچ فیصد کٹ آف مارکس کم کر کے رزلٹ جاری کرنے کا ایک لیٹر 2019 ہی میں نکالا پھر بھی محکمۂ تعلیم اور بہار بورڈ نے دس برسوں میں ایک بھی اردو ٹی ای ٹی کا رزلٹ جاری نہیں کیا۔ درجنوں بار وزیرِ اعلا نے بھی یقین دہانی کرائی کہ جلد ہی ساری دقّتوں کو دور کر کے رزلٹ جاری کیا جائے گا۔ پورے بہار کی اقلیتوں کی نظر اردو ٹی ای ٹی کے انصاف پر ٹکی ہے۔ درجنوں دھرنے، ریلیاں اور مظاہرے ہوئے پھر بھی حکومت کو ہم بارہ ہزار اردو ٹی ای ٹی امیدواروں پر رحم نہیں آیا۔ وزیرِ اعلا سے ہمیں امید ہے کہ وہ الیکشن سے پہلے پہلے ضرور اردو ٹی ای ٹی امیدواروں کا رزلٹ جاری کریں گے۔ آج نول کشور یادو نے امیدواروں کو بھروسہ دلایا کہ ضرور رزلٹ جاری ہوگا۔ ہم اس مسئلے پر ضرور وزیرِ اعلا سے بات کریں گے۔ انھوں نے مزید کہا کہ پاس کر کے فیل کر دینا غلط اور جرم ہے۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

ڈاکٹر غضنفر اقبال کی ادبی فتوحات قابلِ فخر اور لائقِ تحسین

محبانِ اردو گلبرگہ کے زیرِ اہتمام اجلاسِ تہنیت کا انعقاد

گلبرگہ (13 جولائی)۔ ڈاکٹر غضنفر اقبال نہ صرف گلبرگہ بلکہ خطۂ دکن کے ایسے قابلِ فخر سپوت ہیں، جنھوں نے کم عمری میں ساہتیہ اکادمی نئی دہلی کے دو باوقار اعزازات 2012 میں 'یوا پرسکار' اور اب 2025 میں 'بال ساہتیہ پرسکار' کو اپنے نام کیا ہے۔ ان کی یہ کامیابیاں قابلِ رشک اور لائق صد ستائش ہیں۔ ان خیالات کا اظہار ڈاکٹر حشمت فاتحہ خوانی نے ڈاکٹر غضنفر اقبال کی کتاب 'قومی ستارے' کو مرکزی ساہتیہ اکادمی نئی دہلی کے باوقار قومی سطح کے 'بال ساہتیہ پرسکار' کے لیے منتخب کیے جانے پر محبانِ اردو گلبرگہ کے زیرِ اہتمام 12 جولائی 2025 کو منعقدہ اجلاسِ تہنیت میں بہ حیثیت صدرِ اجلاس کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ ڈاکٹر غضنفر اقبال اپنے والدِ بزرگوار اردو کے ممتاز فکشن نویس پروفیسر حمید سہروردی کی ادبی وراثت کے امین ہیں اور انھوں نے اردو کے ادبی منظر نامے پر گلبرگہ کا نام روشن کیا ہے۔

ڈاکٹر انیس صدیقی نے انعام یافتہ کتاب 'قومی ستارے' پر اپنے مختصر اور جامع اظہارِ خیال میں کتاب کے مشمولات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ غضنفر اقبال نے اس کتاب میں آزادیِ ہند کی تاریخ کی قابلِ تقلید، مثلِ آفتاب پندرہ ایسی شخصیتوں کی جیون کتھائیں قلم بند کی ہیں، جو بچوں کی سوچ و فکر کو منور اور ان کی مستقبل کی راہوں کو روشن کرنے میں معاون ہو سکتی ہیں۔

ڈاکٹر غضنفر اقبال نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی ان کامیابیوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور والدین کی دعاؤں کا ثمر قرار دیا۔ ادبی سفر کے آغاز و ارتقا کے تناظر میں اپنی ادبی کاوشوں کی مختلف جہتوں کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ میدانِ ادب میں جنوبی ہند کے قلمکاروں کے ساتھ معاندانہ رویہ روا رکھا گیا ہے، اسی خیال کے پیشِ نظر ان کی بیشتر کتابوں کے محور و مرکز جنوبی ہند کے قلمکار رہے ہیں۔

اس موقعے پر جناب محمد جاوید اقبال صدیقی نے ڈاکٹر غضنفر اقبال پر تہنیتی نظم پیش کی، جسے حاضرینِ اجلاس نے خوب سراہا۔ اجلاسِ تہنیت میں جناب نبی نصرت، ڈاکٹر علاء الدین مخدوم صابر، انجینئر محمد یوسف شیخ اور محترمہ اسما عالم نے بھی ڈاکٹر غضنفر اقبال کو تہنیت پیش کی۔

جلسے کا آغاز ڈاکٹر مولانا محمد مسیح اللہ رشادی کی قرآتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ انجینئر محمد معین الدین سہروردی نے نذرانۂ نعت شریف پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ انجینئر عارف مرزا نے خیر مقدمی کلمات ادا کیے۔ جناب محمد جاوید اقبال صدیقی نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ ڈاکٹر شمس الدین چودھری کے اظہارِ تشکر پر یہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

مولانا عزیز الحسن صدیقی کو مشاورت کا خراجِ عقیدت

نئی دہلی (14 جولائی، پریس ریلیز)۔ ممتاز عالمِ دین اور ملّی رہنما مولانا عزیز الحسن صدیقی کے انتقال پر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت (رجسٹرڈ) نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ آج یہاں جاری ایک بیان میں مشاورت کے جنرل سکریٹری معصوم مرادآبادی نے کہا کہ مولانا عزیز الحسن صدیقی مشاورت کے نہایت سرگرم رکن اور ملک و ملت کا عظیم سرمایہ تھے۔ انھوں نے پوری زندگی خدمتِ خلق اور دینی مکاتب کے قیام و بقا کی کوششوں میں صرف کی۔ واضح رہے کہ مولانا کا گذشتہ روز بنارس کے ایک اسپتال میں طویل علالت کے بعد 93 برس کی عمر میں انتقال ہو گیا تھا۔ مولانا عزیز الحسن صدیقی کی پیدائش 14 ستمبر 1932 کو اتر پردیش کے مردم خیز خطے غازی پور کے ایک معزز اور باوقار خاندان میں ہوئی تھی۔ انھوں نے دینی تعلیم کے علاوہ عصری تعلیم بھی حاصل کی اور سابق ممبر پارلیمنٹ مولانا سید احمد ہاشمی کے برادرِ بزرگ صاحب زادہ حافظ سیّد محمد ہاشمی سے انگریزی پڑھی۔ انھیں ادارہ سازی میں کمال حاصل تھا۔ متعدد ادارے قائم کیے اور سرکردہ علمی اور ادبی تنظیموں کے عہدیدار بھی رہے۔ وہ ماہنامہ 'تذکیر' کے ایڈیٹر تھے جو پابندی کے ساتھ غازی پور سے شائع ہوتا ہے اور علمی و ادبی حلقوں میں بہت مقبول ہے۔ ان کی اہم تصانیف میں 'تذکرۂ مشاہیرِ غازی پور'، 'کاروانِ فکر'، 'شمعِ آزادی کے پروانے'، 'جنگِ آزادی اور مسلمان'، 'حوّا کی بیٹیاں'، 'رشحاتِ قلم'، 'مضامینِ عزیز' اور 'سرمایۂ ملت کے نگہبان' قابلِ ذکر ہیں۔ مرحوم کی تدفین 13 جولائی کو بعد نمازِ مغرب ان کے آبائی شہر غازی پور کے وشیشر گنج عیدگاہ قبرستان میں سیکڑوں سوگواروں کی موجودگی میں عمل میں آئی۔

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : ارمغانِ پرویز
مرتّب : انجینئر فیروز مظفر
اشاعت : 2025
ضخامت : 160 صفحات
قیمت : 300روپے
ناشر : مظفر حنفی میموریل سوسائٹی، مظفر حنفی لین، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر
E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

زیرِ نظر کتاب 'ارمغانِ پرویز' میں انجینئر فیروز مظفر نے پرویز مظفر کی کتابوں 'تھوڑی سی روشنی' اور 'اُداس نظمیں' پر لکھے مضامین، تاثرات، پیش لفظ اور تبصروں کو شامل کیا۔ پرویز مظفر (پیدائش 5 مئی 1965) نے مئی 2025 میں اپنی زندگی کی ساٹھ بہاریں دیکھ لی ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں فیروز مظفر نے اس کتاب کا نام 'ارمغانِ پرویز' رکھا۔ پرویز مظفر پیدا تو ہندستان میں ہوئے لیکن انھوں نے اپنی کارگزاریوں کے لیے انگلینڈ کا انتخاب کیا۔ وہ وہاں پر فلاحی وسماجی کاموں کے علاوہ ادبی خدمات بھی انجام دے رہے ہیں۔ ہندستان کے مایۂ ناز ادیبوں کا جب انگلینڈ جانا ہوتا ہے تو پرویز مظفر ان کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ خلیق انجم نے پرویز مظفر کی خاطر تواضع سے خوش ہو کر کہا تھا کہ 'پرویز مظفر ضرور مغرب میں رہتے ہیں لیکن وہ مشرقی آداب کی پاس داری کے علم بردار ہیں۔' ایسی ہی باتیں ہندستان کے بہت سے ادیبوں نے کہی ہیں جنھوں نے ان کے یہاں کچھ دن قیام کیا۔ پرویز مظفر بھلے ہی برمنگھم میں مقیم ہوں لیکن ان کا دل ہندستان کے لیے دھڑکتا رہتا ہے۔ اس کا اندازہ ان کی شاعری پڑھ کر کیا جا سکتا ہے۔ ایک قطعے میں انھوں نے ہندستان سے اپنی محبت کا والہانہ اظہار یوں کیا:

دیش ہے چاند اس کا نور ہیں ہم
اپنی آزادی پہ مسرور ہیں ہم
نام پر اس کے دل دھڑکتا ہے
یوں تو ہندوستاں سے دور ہیں ہم

زیرِ نظر کتاب 'ارمغانِ پرویز' کے پیش لفظ 'اس طرح کہتے ہیں سخنور سہرا' میں انجینئر فیروز مظفر نے پرویز مظفر کی شعری وادبی صلاحیتوں کا مکمل احاطہ کیا ہے۔ اس بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے غزلوں پر اپنے والد مظفر حنفی سے اصلاح لی جب کہ نظموں کی اصلاح کے لیے ساقی فاروقی کو اُستاد بنایا۔ صاحبِ مرتب نے پرویز مظفر کی اخلاقی قدروں اور اہلِ خانہ کی مالی مدد کا دل چسپ انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ فیروز مظفر مزید لکھتے ہیں کہ انھوں نے پرویز مظفر کی دی گئی خطیر رقم سے سکھ دیو وہار (نئی دہلی) میں وہ فلیٹ خریدا جس میں کبھی منظور الامین صاحب اور قرۃ العین حیدر صاحبہ کا قیام تھا۔ فیروز صاحب نے اس پیش لفظ میں کچھ ایسی باتیں بھی رقم کیں جن کا تذکرہ غیر ضروری ہے۔ حالاں کہ یہ ان کے جذباتی تاثرات ہیں جن کا تعلق ان کی ذاتی زندگی سے رہا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں پرویز مظفر کی شعری خدمات پر جن اصحابِ قلم نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ان میں ساحر شیوی، فرمان فتح پوری، سحر انصاری، منور رانا، ڈاکٹر خلیل طوق آر، افتخار امام صدیقی، سلطانہ مہر، منور احمد کنڈے، گلشن کھنہ، ظفر اقبال ظفر، رئیس الدین رئیس، انور شمیم انور، ڈاکٹر عصمت ملیح آبادی، سراج زیبائی، اسلم چشتی، فیاض عادل فاروقی، سیفی سرونجی، تحسین منور، پروفیسر خالد محمود، شمع افروز زیدی، سیّد محمود کاظمی، افضال عاقل، فصیح اللہ خاں نقیب، رضیہ حامد، فخر الدین عارفی، عظیم اللہ ہاشمی، دانش کمال اثری، انزلا فاروقی اور شیخ عقیل احمد وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

پروفیسر فرمان فتح پوری نے پرویز مظفر کی نظموں اور غزلوں سے متعلق اپنی آرا میں لکھا کہ ان کے اشعار کی لفظیات اور لفظوں کی بُنت صاف بتاتی ہے کہ ان کا تعلق ابلاغ کی ایسی سطح سے ہے جو قاری کے ذہن کو براہِ راست متوجہ کرتی ہے۔ اس کے بعد پروفیسر موصوف نے ان کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے لکھا کہ وہ ابلاغ کے شاعر ہیں جو قاری اور سامع کے ذہن میں اپنی بات اُتارنے کے فن سے واقف ہیں۔

پروفیسر مظفر حنفی نے اپنے لائق وفائق فرزند پرویز مظفر کی کتاب کے لیے جو چند سطریں رقم کیں اس میں انھوں نے ان کی پیدائش، تعلیم وتربیت، اہلِ خانہ کی خدمت، عوام سے حسنِ سلوک اور دیارِ غیر میں جانے کی خواہش وغیرہ کو موضوع بنایا ہے۔ پروفیسر موصوف نے اپنے جذبات کو خود کے شعر:

میری سنتے، اپنی کہتے، میرے دیدہ ودل میں رہتے
لیکن تم نے اپنا مسکن سات سمندر پار بنایا

میں بیاں کیا ہے۔ منور رانا نے پرویز مظفر کی کتاب پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے ان کی شاعری کو تہذیب کا سنگم قرار دیا۔ ان کی نظر میں دیارِ غیر میں بیٹھ کر اُردو کی خدمت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ پرویز مظفر نے انگلینڈ کے ماحول میں رہ کر اپنے وطن اور مٹی سے ٹوٹ کر عشق کیا ہے۔ اس مناسبت سے ان کی شاعری میں ہندستانی تہذیب وثقافت کا سیلِ رواں موجزن ہے۔

ڈاکٹر خلیل طوق آر (استنبول، ترکی) نے پرویز مظفر کی شعری جہتوں کا محاکمہ کرنے کے بعد انھیں 'تنہائی کا شاعر' قرار دیا۔ انھوں نے اپنی بات کو مدلل بنانے کے لیے کہا کہ اداسی اور تنہائی کا احساس ان لوگوں میں زیادہ دکھائی دیتا ہے جنھیں ادب وشعر سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ پرویز مظفر نے بھی اپنی تنہائی کو شاعری کا وسیلہ بنایا ہے۔ حالاں کہ ان کا پیشہ تنہائی کے لیے شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ ان کا زیادہ تر وقت لوگوں کی خدمت میں صرف ہوتا ہے۔ اس معنی میں پرویز مظفر کی زندگی میں وطن اور اپنے عزیز واقربا سے دور رہنے کا جو قلق اور خلا ہے وہ اسے تنہائی کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اس لیے ان کی شاعری میں جذباتیت حاوی رہتی ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں:

دھوپ چشمہ لگائے چھتری میں
پھر سمندر کے پاس بیٹھی ہے
دل کا وہ حال جیسے سینے میں
ایک چڑیا اداس بیٹھی ہے

بہر نوع! انجینئر فیروز مظفر نے اپنے چھوٹے بھائی کی شعری کاوشوں کو 'ارمغانِ پرویز' میں قارئین کے سامنے پیش کر کے انھیں بیش قیمت تحفہ پیش کیا ہے۔ کتاب کا انتساب بڑا ہی معنی خیز اور دل چسپ ہے۔ اس انتساب میں فیروز صاحب نے اپنے تمام اہلِ خانہ کے اسما کو جگہ دی ہے۔ فیروز مظفر اپنی خاندانی وراثت کو نئی نسل تک پہنچانے کے مشن میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ رٹائرمنٹ کے بعد فیروز صاحب اپنے والد پروفیسر مظفر حنفی کے خوابوں کی تکمیل کے لیے رات دن کوشاں ہیں۔ اس بات کا اعتراف انھوں نے اپنے پیش لفظ میں کیا ہے۔ راقم فیروز مظفر اور پرویز مظفر دونوں کو مبارک باد پیش کرتا ہے کہ انھوں نے باقاعدہ اُردو ادب کی تعلیم حاصل نہیں کی لیکن اپنی ذاتی کاوشوں اور گھر کے علمی وادبی ماحول کی وجہ سے اُردو ادب کی خدمت کا کوئی موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ کتاب کا سرورق بہت ہی دیدہ زیب، طباعت اعلا اور قیمت مناسب ہے۔ مظفر حنفی میوریل سوسائٹی اور نامک پبلی کیشنز، نئی دہلی کی یہ مشترکہ کاوش یقیناً قارئین کو ضرور پسند آئے گی۔ آخر میں منور احمد کنڈے (ٹیلی فورڈ، یو کے) کا ایک قطعہ ملاحظہ کیجیے جس میں انھوں نے پرویز مظفر کی شخصیت اور ان کی اُردو نوازی کو قارئین کے سامنے پیش کیا ہے:

اُردو کا انگلینڈ میں روشن کیا چراغ
پینے والوں کو دیے مے سے بھرے ایاغ
فاضل وقت میں شاعری کا یہ نبھائیں ساتھ
باقی دھندوں کے لیے ان کو کہاں فراغ

◆◆◆

بیانِ شبلی

(بقیہ صفحہ 2 سے آگے)

شبلی اور الایمان

یہ مولوی منشی وفاضل سیّد محمود (پروفیسر رندھیر کالج کپورتھلہ) کی کتاب ہے۔ یہ جس وقت لکھی گئی اپنی نوعیت کی ایک منفرد کتاب تھی۔ اس کے بارے میں علامہ شبلی نے لکھا ہے:

''میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ رسالہ 'الایمان' غایت دقتِ نظر اور تحقیق کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور موجودہ زمانے میں ہر حیثیت سے مفید اور سودمند ہے۔ اس رسالے نے اردو زبان میں ایک مفید اضافہ کیا ہے۔''

(تمدنِ اسلام۔ دوم، مترجمہ مولوی محمد حلیم انصاری، ردولوی، ص:2)

علامہ شبلی کی شاعری

سجاد انصاری علامہ شبلی کے بڑے عقیدت مند تھے۔ ان کی وفات پر ایک نظم لکھ کر اپنے جذباتِ رنج وغم کا اظہار کیا تھا، جوان کے مجموعہ 'محشرِ خیال' میں شامل ہے۔ اسی مجموعہ 'محشرِ خیال' میں علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر کے نام ایک مکتوب شامل ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

''مولانا شبلی پر نظر کیجیے، ان کی اردو شاعری زیادہ تر روزمرہ کے واقعات سے متعلق ہے، لیکن ان کا شعر حقیقتاً شعر ہوتا ہے، ناقابلِ برداشت نثر نہیں ہو جاتا، اگر وہ کبھی اخلاق کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں، اس لطیف انداز سے کہتے ہیں کہ وہ ناصح کی بے مزہ اور تکلیف دہ مصیبت نہیں بن جاتی جو بجائے اصلاح کرنے کے انسان کو اور مشتعل کر دے۔''

(محشرِ خیال، ص94-93)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
شائستہ منزل، 641، پورہ غلامی، عقب آواس وکاس،
اعظم گڑھ-276001 (یوپی)
E-mail: azmi408@gmail.com
Mob. 9838573645

مظفر حنفی کی زندۂ جاوید شاعری

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

مت پوچھیے کہ راہ میں بھٹکا کہاں کہاں
روشن ہیں میرے نقشِ کفِ پا کہاں کہاں

معروف نقاد پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی نے مظفر صاحب کی شاعری سے متاثر ہوکر فرمایا تھا ''مظفر حنفی نے شگفتہ زمینوں میں رواں دواں شعر کہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے نئے نئے ردیف قافیے کا ایک فوارہ ہے جو ابلتا جا رہا ہے۔ ایک ہی بات کو کئی طرح کہنے کا ڈھنگ آپ کو بخوبی آتا ہے''۔

پروفیسر مظفر صاحب اردو دنیا میں سب کے چہیتے شاعر و ادیب تھے۔ سارے ہی محبانِ اردو انھیں آنکھوں میں بٹھاتے تھے۔ نامور شاعر و نقاد پروفیسر شمیم حنفی نے مظفر صاحب کی جدائی کے غم کا اظہار اس طرح کیا ''پروفیسر مظفر حنفی کا چلا جانا میرے لیے ایک بڑا ذاتی سانحہ ہے۔ وہ ایک غیرت مند انسان تھے۔ ان کا ذہن بہت خلاق تھا۔ انھیں عزتِ نفس کا احساس رہتا تھا۔ مظفر صاحب کی خوبی یہ تھی کہ وہ نئی نئی زمینوں میں بہت عمدہ شعر کہتے تھے''۔

پروفیسر مظفر حنفی کی کئی شعری و نثری تصانیف شائع ہوکر اردو بستیوں میں کافی مقبول ہوئیں۔ ان میں سے پانی کی زبان، دیپک راگ، طلسم حرف، کھل جا سم سم، یا اخی، آگ مصروف ہے اور افسانوی مجموعوں میں دو غنڈے، اینٹ کا جواب، دیدۂ حیراں وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ساتھ ہی کئی تنقیدی کتابوں کے علاوہ 'وضاحتی کتابیات' کی بائیس جلدیں بھی منظرِ عام پر آئیں، ان میں سے تین جلدوں کے مرتبین پروفیسر گوپی چند نارنگ اور پروفیسر مظفر حنفی ہیں۔ باقی انیس جلدیں خود مظفر صاحب نے ترتیب دی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کے لائق و فائق فرزند انجینئر فیروز مظفر نے اپنے والدِ ماجد کی مجموعی شاعری کی دیدہ زیب کلیات 'تیزاب میں تیرتے پھول' کی کئی جلدیں شائع کی ہیں۔ علاوہ ازیں انجینئر صاحب ہی کی زیرِ نگرانی مظفر حنفی صاحب کی حیات اور ادبی خدمات پر کئی تصانیف مثلاً 'مظفر کے نام کچھ ادبی خطوط'، 'مظفر حنفی، شخصیت اور فن' وغیرہ شائع ہوکر ادبی حلقوں میں کافی مقبول ہو رہی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی رحلت پر مشہور و مقبول شاعر منور رانا نے اپنی بھیگی آنکھوں سے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا ''ڈاکٹر مظفر حنفی میرے بڑے بھائی کی طرح تھے۔ خدا بخشے بڑے قلندر صفت انسان تھے۔ ہر وقت سرمستی کا عالم رہتا تھا۔ انھوں نے میری پرورش کی، میری صحیح تربیت کی۔ دکھ سکھ میں میرا ساتھ دیا۔ اللہ پاک انھیں غریقِ رحمت کرے''۔

ڈاکٹر صاحب کی رفعت و سربلندی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے متعدد محسنینِ ادب نے موصوف کی شاعری کی بھرپور سراہنا کی ہے۔ اردو کے بلند قامت نقاد پروفیسر خلیل الرحمٰن اعظمی نے مظفر صاحب کی شاعری سے متاثر ہوکر کہا تھا ''مظفر حنفی ان شاعروں میں ہیں جنھوں نے شاعری اور فن کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے اور اس کے لیے وہ ریاضت کی ہے جس کے بغیر شاعری کی انفرادیت نہیں ابھر سکتی''۔

غرض پروفیسر مظفر حنفی کا شعری سرمایہ بلا شبہ ادب کے لیے ایک اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اردو کی نامور ہستیوں میں موصوف کے نام اور ادبی کارناموں پر ہمیشہ گفتگو جاری رہے گی۔ اردو کی نئی بستیوں کو آباد کرنے میں انھوں نے اہم رول ادا کیا۔ مظفر صاحب کا ادبی کارنامہ ہماری اردو تاریخ کا ایک مکمل باب ہے۔

سراج زیبائی
(شیموگہ، کرناٹک)
E-mail: sirajzebayi10@gmail.com
Mobile: 8296694020

ابنِ صفی 'ادب برائے زندگی' کا نقیب

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

ابنِ صفی جہاں اپنے قارئین کے لیے اپنی تحریروں کے ذریعے تفریح کا سامان مہیا کرتے ہیں وہیں زندگی کے پُر پیچ مسائل میں سنجیدگی اختیار کرنے کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ 'زرد فتنہ' (اگست 1971) کے پیش رس کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''... آپ بعض معاملات پر سنجیدگی سے غور کریں۔ زندگی محض ہنسی خوشی کا کھیل نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ میں ہنسی کھیل ہی کے ذریعے آپ کو زندگی کے حقائق سے قریب تر لانے کی کوشش کرتا ہوں۔''

اسی پیش رس میں یہ اقتباس بھی فکر انگیز ہے:

''... بڑا آدمی صرف وہ ہے جس کی تگ و دَو صرف اپنی ہی ذات کے لیے نہیں ہوتی۔ اگر مال دار ہوتا ہے تو خود کو ایک 'چوکیدار' سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ اس مال کا چوکیدار جو دراصل اللہ کی ملکیت ہے اور اسے اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں سے صرف کرتا ہے۔

ہم جو کچھ بھی حاصل کرتے ہیں اللہ کی زمین ہی سے تو حاصل کرتے ہیں اور اس پر ہمارے حقوق صرف اسی حد تک ہوتے ہیں جو اللہ نے مقرر کر دیے ہیں۔''

محمد عارف اقبال
ایڈیٹر، اردو بک ریویو، دریا گنج، نئی دہلی-110002
E-mail: urdubookreview1995@gmail.com
Mobile: 9953630788

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین و مقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرور الہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیووں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من و تو (تحقیقی و تنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات و مضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق و توازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام،	
	یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation		
(Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-

ابنِ صفی 'ادب برائے زندگی' کا نقیب

محمد عارف اقبال

مشرق ومغرب میں ادب کی بیسیوں تعریفیں کی گئی ہیں اور آج تک کسی تعریف پر اتفاق نہیں ہوسکا۔ معروف ادیب و نقاد ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے ادب کی تمام قابلِ لحاظ تعریفات یکجا کرکے ایک جامع تعریف یوں کی ہے:

> ''ادب وہ فنِ لطیف ہے جس کے ذریعے ادیب جذبات و افکار کو اپنے خاص نفسیاتی و شخصی خصائص کے مطابق نہ صرف ظاہر کرتا ہے بلکہ الفاظ کے واسطے سے زندگی کے داخلی اور خارجی حقائق کی روشنی میں ان کی ترجمانی وتنقید بھی کرتا ہے اور اپنے تخیل اور قوتِ مخترعہ سے کام لے کر اظہار و بیان کے ایسے موثر پیرایے اختیار کرتا ہے جن سے سامع و قاری کا جذبہ و تخیل بھی تقریباً اسی طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح خود ادیب کا اپنا تخیل اور جذبہ متاثر ہوا۔''

(اشاراتِ تنقید، صفحہ 344، از ڈاکٹر سیّد عبداللہ، مکتبہ خیابان ادب لاہور، باراوّل 1962)

ادب کی اس تعریف کے بعد 'ادب برائے ادب' اور 'ادب برائے زندگی' کے مفہوم تک بہ آسانی رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ تاہم ادب برائے زندگی کی تعریف علمائے ادب کی زبان سے اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ادب کا اوّلین کام قارئین وسامعین کو مسرت بہم پہنچانا ہے۔ ادب کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ وہ زندگی کے بارے میں ہماری آگہی میں اضافہ کرے یعنی ہمیں اپنی ذات اور اپنے ماحول کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو۔ لہٰذا ادب برائے زندگی کا نظریہ یہی ہے کہ ادب سے زندگی کو نکھارنے، اس کے معائب کو دور کرنے اور ایک بہتر زندگی کے لیے جدوجہد کرنے کی توقع کی جائے۔ اس کے برعکس 'ادب برائے ادب' کے نظریے کے علمبردار ادب کو ایک خاص جمالیاتی چیز قرار دیتے ہیں اور ادب میں مقصدیت اور ادب کی سماجی افادیت کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک ادب کا منصب فقط یہ ہے کہ وہ قارئین کو جمالیاتی مسرت سے ہمکنار کرے۔ ان کے خیال میں ادب سے جمالیاتی مسرت کے سوا کسی قسم کا سیاسی پیغام، اخلاقی مقصد یا سماجی افادیت کی توقع کرنا بدمذاقی ہے۔ یہ بحث طویل ہے کہ کیا خود ادب برائے ادب کے قائلین ایسا ادب تخلیق کرنے میں کامیاب ہوسکے جو مقصدیت اور معاشرے سے فرار حاصل کرچکا ہو؟

بیسویں صدی کے عظیم اردو ادیب، شاعر اور ناول نگار ابنِ صفی (آمد: اپریل 1928، بروزِ جمعہ، رخصت: 26 جولائی 1980) نے جس طرح تادمِ حیات ادب کی آبیاری کی، اس کی نظیر تادمِ تحریر دوسرے اردو ادیب پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کے باوجود ابنِ صفی کو کم سے کم ان کی حیات میں اردو کے روایتی نقادوں نے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابنِ صفی اپنا کام کرگئے اور اردو ادب کو اپنی انمول تحریروں سے مالا مال کردیا۔ بدقسمتی ان روایتی نقادوں کے حصے میں آئی جو ادبی خدمات کو بھی سکّوں میں تولتے رہے۔ ابنِ صفی ایک مقصدی ادیب تھے، انھوں نے ادب کا رشتہ عام انسانوں سے استوار اور مستحکم کیا۔ ادب میں تن آسانی سے گریز کرتے ہوئے سخت اور خاردار راستے کو منتخب کیا۔ گویا پتھر کے کلیجے کو چیر کر دودھ کی نہر نکالی۔ انسان اور معاشرے سے جڑے ایک پیچیدہ نفسیاتی موضوع کو عام فہم مکالماتی طرز عطا کیا۔ الفاظ کو درخشانی وتابانی عطا کی اور معانی ومفاہیم میں جمالیاتی روح پھونکی۔ ابنِ صفی کے یہاں ترسیل وابلاغ کا مسئلہ کبھی نہیں رہا۔ ابنِ صفی سے ایک غیر زبان کا بنگالی شخص بھی کہتا ہے کہ وہ ان کے ناول پڑھنے کے لیے اردو زبان سیکھ رہا ہے۔ ابنِ صفی بلاشبہ مقبولِ عام ادیب تھے لیکن ان کی تحریروں کو مقبولِ عام ادب (Popular Literature) کے خانے میں ڈال کر انھیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

جاسوسی دنیا کے حوالے سے ابنِ صفی کا تعارف نکہت پبلی کیشنز، الٰہ آباد کے ذریعے ہوا۔ اسی ادارے سے ان کا پہلا ناول 'دلیر مجرم' مارچ 1952 میں شائع ہوا۔ ان کے بیشتر قارئین بھی ایک عرصے تک ابنِ صفی کو ایک پُراسرار شخص سمجھتے رہے۔ ناول کی پُراسراریت اپنی جگہ لیکن مصنف کا پُراسرار ہونا بھی بعض اوقات ان کے قارئین کو مسرور کرتا رہا۔ حالاں کہ ابنِ صفی نے خود کو سات پردوں میں کبھی نہیں چھپایا۔ وہ ابنِ صفی سے قبل اسرار احمد تھے اور بحیثیت شاعر وادیب اسرار ناروی کی حیثیت سے معروف بھی رہے۔ البتہ اردو دنیا میں 'ابنِ صفی' کی شہرت نے ان کے ہم عصروں میں رقابت اور کسی حد تک حسد کی کیفیت پیدا کردی۔ یہ کیفیت اس وقت دوچند ہوگئی جب کہ وہ کراچی ہجرت کرگئے۔ پھر اس کے بعد ہندوپاک میں ابنِ صفی کا چراغ ہی روشن رہا اور اپنی تابانی سے اردو دنیا کو روشنی دیتا رہا۔ اس کے برعکس ان کے ہم عصر ادیبوں کا چراغ گل ہونے لگا یا بڑی حد تک مدھم پڑ گیا۔ ان کے ہم عصروں میں جو حضرات یونی ورسٹیوں میں شعبۂ اردو سے وابستہ ہوئے، وہ ادب کے روایتی خول میں بند ہوگئے۔ ان پر بے بسی کی کیفیت طاری تھی۔ اردو ادیبوں، شاعروں اور اساتذہ کا وہ طبقہ جو 'آزاد خیال' تھا، اس نے ہندوپاک میں ایک طرح کا ایکا قائم کرلیا جس نے اخلاق پر مبنی ادب کو حاشیے پر پہنچانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ایسا لگتا ہے کہ سیاسی اسباب سے اس مذموم کام میں ابنِ صفی کے بعض قریبی احباب بھی اس طبقے کے ہمنوا بن گئے تھے۔ اس صورت میں ابنِ صفی کو مزید پُراسرار بنانے کی کوشش کی گئی تاکہ ان کی ادبی شخصیت بھی سرّی ادب کی تہ میں دب کر معدوم ہوجائے۔ کیا یہ بات عجیب نہیں لگتی کہ تخلیقی ادب کا یہ عظیم مصنف تو عوام کے دلوں پر حکومت کرتا ہو، اس کے ناولوں کے مطالعے سے لوگ اپنی اُردو درست کررہے ہوں، اردو سیکھ رہے ہوں، اور دوسری طرف ایوانِ ادب میں اس کی شخصیت 'نامعلوم' یا غیر معروف بنادی جائے۔

جاسوسی ادب کے قارئین جانتے ہیں کہ ابنِ صفی کے ہر ناول کا بنیادی خیال باطل پر حق کی فتح ہے۔ وہ ہر حال میں قانون کا احترام کرنا سکھاتے ہیں۔ ان کی تحریریں مقصدیت سے خالی نہیں ہوتیں۔ ان کا ادبی کینوس ہمیشہ عالمی (Global) رہا ہے کیوں کہ وہ انسانی اخلاقیات کے پُرزور حامی رہے۔ واضح ہو کہ انسانی اخلاقیات کی پاسداری نہ کرنے والے ہی روئے زمین پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی داستان میں چھوٹا سا جرم بھی نفسیاتی طور پر جرم کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ مسئلہ ایک شخص کا انفرادی یا تجارتی ہو، ایک گاؤں یا شہر کا مسئلہ ہو یا اس سے آگے ایک ملک اور دیگر اقوام کا مسئلہ ہو، ہر جگہ جرم کی نفسیات یکساں ہوتی ہے چاہے واقعات کی نوعیت الگ الگ کیوں نہ پائی جائے —— انسانی اخلاقیات کے فقدان کے سبب ہی انسانی حقوق کی پامالی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس حمام میں ایک عام فرد سے لے کر حکمرانِ سلطنت بھی ننگے نظر آتے ہیں —— لیکن جرم کی شدت اس وقت دوچند ہوجاتی ہے جب جرم کا ارتکاب محافظِ قوم کے ذریعے کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ابنِ صفی نے اپنے بعض ناولوں کے 'پیش رس' میں اپنے قارئین کی توجہ اس جانب خصوصی طور سے مبذول کرائی ہے۔ یہ بھی ابنِ صفی کا منفرد کارنامہ ہے کہ وہ اپنے ہر ناول کا 'پیش رس' اپنے قارئین کے دل چسپ خطوط کی روشنی میں لکھا کرتے تھے۔ افسوس کہ الٰہ آباد سے شائع ہونے والے ان کے ناولوں میں یہ 'پیش رس' شامل نہیں کیے گئے۔ کاش عباس حسینی مرحوم اپنے ادارتی نقوش کے بعد 'پیش رس' بھی شامل کردیتے تو اردو دنیا خاص طور سے ہندستانی قارئین پر ان کا بڑا احسان ہوتا اور ابنِ صفی سے ان کے دیرینہ تعلق کا مزید اظہار بھی تصور کیا جاتا۔

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : **اطہر فاروقی**
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***